ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
(April to June)

خواجہ احمد عباس کے افسانوں میں سماجی مسائل کی پیش کش

Presentation of social problems in the short stories of Khawaja Ahmad Abbas

ڈاکٹر سونیا بشیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان
Dr. Sonia Bashir
Assistant Professor, Department of Urdu, University College for Women Abdul Wali Khan University, Mardan

Abstract:
Khawaja Ahmed Abbas started his career as a journalist in English Journalism. In his literary journey spanning over five decades, he gave several collections of short stories to the Urdu language. He was also associated with the film industry. His books have been translated into Russian, German, Italian, French and Arabic. Here they have a protest attitude against social inequalities. And there is a thought to change the system. The article under review highlights the social impact of his short stories. He gave social awareness to his readers. This is the social consciousness that is seen not only in the fiction of Khwaja Ahmad Abbas but also in his screenplays. They describe the shortcomings of an unhealthy society with a healthy trend. His vision is very clear and has ideological commitment, which is a proof of his mature social and political outlook. His writings shed light on the dark underbelly of class oppression and his desire for a non-class society free from all forms of economic exploitation.

Keywords: Khawaja Ahmed Abbas, journalism, film industry. literature, Short stories, protest, social issues, social inequalities, feudal

بیسویں صدی نے اپنے آغاز کے ساتھ ہی کہانی کے رخ کو نئی شاہراہوں کی طرف موڑ دیا تھا۔ اور اس میں فکری اور تکنیکی حوالوں سے نت نئے رنگ سامنے آتے گئے۔ ناول کی جگہ نثر لکھنے والوں کی توجہ افسانے نے حاصل کی اور وہ کہانی کے اس مختصر فارمیٹ میں زندگی کے حقائق کی نقاب کشائی کرنے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستانی معاشرہ نت نئی تبدیلیوں کی زد میں تھا۔ سیاسی، تہذیبی، معاشی، اور سماجی ہر سطح پر فرد ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ جاگیر دارانہ نظام کی قوت وطاقت مختلف شکلوں اور ناموں سے خوف کو ہوا دے رہی تھی۔ فیوڈل طبقوں کا ارباب اقتدار کے ساتھ گہرے تعلق اور نتیجے میں پیدا ہونے والا اثر ورسوخ بھی واضح طور پر دیکھنے میں آرہا تھا۔ ایسے حالات میں جب کہ نئی صدی کے عشرے صفحے پلٹ رہے تھے اور پرانی جاگیر داری کی باقیات سے ہوتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام اور صنعتی دور میں استحصال کے لئے تیار نئی کھیپ سامنے آرہی تھی ادیب اور شاعر کے سامنے نئے سوالات سر اٹھا رہے تھے۔ اس کے لئے اس ماحول سے الگ تھلگ ہو کے اپنی ذات کے گنبد میں بیٹھنا اور زیادہ دیر تک سماجی مسائل سے آنکھیں بند کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس دور کے لکھنے والوں میں ایک اہم نام خواجہ احمد عباس کا ہے۔ جن کی پیشہ وارانہ مصروفیت تو انگریزی صحافت تھی

تاہم انہوں نے ہندی، اردو اور انگریزی میں اتنا کچھ لکھا کہ ان کی زود نویسی ادبی حلقوں میں برابر زیر بحث رہنے لگی تھی۔ لیکن بہر صورت خواجہ احمد عباس کی تحریریں افسانوی ہوں یا غیر افسانوی ایک سچے اور مخلص قلمکار کے دل کی آواز ہے۔ وہ اپنے ملک کے طول و عرض میں پھیلنے پلنے اور بڑھنے والی غربت، افلاس اور بے حسی پر قلم اٹھاتے اوران خوابوں کو رقم کرتے ہیں جو نچلے طبقوں کے ذہنوں میں بسیرا کیے ہوئے تھے۔ اگر چہ ان کے افسانے بارہا اس تنقید کی ذد میں بھی آئے کہ وہ کہانی بھی صحافیانہ رنگ میں لکھتے ہیں لیکن نظریاتی طور وہ جس دبستان کی ترجمانی کرتے تھے انہوں نے جو کچھ اپنے آس پاس دیکھا اور محسوس کیا اسی کو صفحہِ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ خواجہ احمد عباس کے افسانوں کے موضوعات عام طور پر متوسط اور ادنیٰ طبقوں کے کرداروں اور ان کے مسائل کے گرد گھومتے ہیں اور جب وہ ان کرداروں کے شب وروز میں جھانکتے ہیں تو لا محالہ سرمایہ دار طبقہ بھی زیر بحث آتا ہے جس سے جان چھڑانے کے لیے وہ ایک بڑے انقلاب کا راستہ دکھاتے ہیں۔ سلیم آغا قزلباش ان کے افسانوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''ان کے افسانوں میں مظلوم طبقے کی درد بھری زندگیوں کا بیان ہوا ہے۔ ان کی آنکھ کیمرے کی طرح ہر نقش کو گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''(۱)

افسانہ ''داروغہ صاحب'' میں اُنھوں نے ان کسانوں کی بیداری کو موضوع بنایا ہے جو جاگیر دارانہ معاشرے میں ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ وہ کسانوں کے اتحاد اور ان کی آواز کو ایک نئے نظام کا پیش خیمہ سمجھ رہے ہیں۔ اس افسانے کا کردار آزاد جو خود تعلیم یافتہ ہے شہر میں نوکری کرنے کی بجائے گاؤں میں رہ کر سماج سدھار کو ترجیح دیتا ہے اور کسانوں کو سمجھانے ان کی فلاح و بہبود اور تعلیم کے لئے خود کو وقف کر دیتا ہے۔ وہ ان کو اپنے حق کے لیے لڑنا سکھاتا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں آزاد پر مقدمے چلتے ہیں اور وہ جیل کی سزا کاٹتا ہے کیوں کہ اس نے غریب کسانوں کو ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے ابھارا تھا۔ اس لئے مہاجن کی آنکھوں میں وہ بری طرح کھٹکتا ہے کیوں کہ آزاد کسانوں کو قرضہ لینے کے خلاف طرح طرح کی ترغیبیں دیتا اور ترکیبیں سمجھاتا تھا۔ خواجہ احمد عباس آزاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ''اگر کسی کو قرضہ لینا پڑتا تو اس کے ساتھ مہاجن کے گھر تک جاتا اور اپنے سامنے باقاعدہ رسید بنواتا۔ پہلے یہ کسان آنکھ بند کر کے انگھوٹے کا نشان کر دیتے تھے اور اپنی قسطوں کی رسید طلب کرنے کا تو ان کو کبھی خیال بھی نہ آیا تھا لیکن آزاد نے ان کو مہاجن کے سب ہتھکنڈوں سے واقف کر دیا تھا جس سے ان کی آمدنی پہلے سے آدھی بھی نہ رہی تھی۔''(۲)

گاؤں کے پٹواری بھی آزاد سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ آزاد انتقال اراضی، لگان، آبیانہ وغیرہ میں بھی کسانوں اور دوسرے ان پڑھ دیہاتیوں کو سمجھاتا ہے جس سے پٹواری کے لے ہیرا پھیری مشکل ہو جاتی ہے۔ خواجہ احمد عباس کے اس قسم کے افسانے عوام میں بیداری کا جذبہ جگاتے ہیں۔

> ''ہم جب صحت مند اور غیر صحت مند ادب کا ذکر کرتے ہیں تو یقیناً ہمارے سامنے اپنے معاشرتی اقدار کی تہذیب یا ان کی پامالی ہوتی ہے۔ زمانے کی گردش اور فکری انقلابات عموماً معاشرتی زندگی کے رخ کو معین کرنے میں کار فرما ہوتے ہیں۔ لیکن جس معاشرے میں ادیب کا شعور زندہ ہوتا ہے وہ آفات و انقلاب

میں گھرے ہونے معاشرے کو بھی سہارا و سنبھالا دینے کی کوشش کرتا ہے۔"

(۳)

درج بالا اقتباس کی روشنی میں خواجہ احمد عباس کے افسانے "میرا بیٹا میرا دشمن" کا مطالعہ کیا جائے تو خواجہ احمد عباس نے یہاں طبقاتی مسئلے کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے جہاں طبقاتی جنگ اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے ایک ایسی لڑائی جس نے باپ بیٹے کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے وہی باپ جو کبھی اپنے بیٹے کو انقلاب، ازادی اور آدرش کے سبق سکھاتا تھا اب اپنے ہی سکھائے ہوئے اصولوں کو اپنے بیٹے کے روپ میں عملی طور دیکھ کر گھبرا رہا ہے اور اپنے ہی اصولوں سے منہ موڑ کر اس سرمایے کے کیمپ میں کھڑا ہے جس نے انگریز کا ساتھ دے کر سماج میں سیٹھ کا رتبہ پالیا ہے۔ اس رُتبے کے پاتے ہی وہ پچھلی زندگی کے تمام درد حتیٰ کہ اپنے بیٹے تک کو بھلا دیتا ہے جو مزدوروں اور محنت کشوں کا نمائندہ بن کر نکلا ہے افسانے کا کردار کرشن سنگھ جب اپنے بیٹے آنند کے باغیانہ رویے کو دیکھ کر اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کرتا ہے تو افسانہ نگار باہر نکلنے والے آنند کے جوتوں کی آواز میں ایک قطعیت محسوس کرتا ہے گویا یہ آنند کی آخری ملاقات ہو اور وہ کہہ رہا ہو۔

"اب میں کبھی واپس نہ آؤں گا کبھی نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔"(۴)

خواجہ احمد عباس نے اس افسانے میں ایک طرف ہندوستان کے ان تمام انقلابیوں کی زندگیوں اور ان کے درد کی عکاسی کی ہے جنہوں نے اصولوں کی خاطر گھر بار ٹھکرا دیا تو دوسری جانب اس سرمایہ دار ذہن کا پردہ بھی چاک کیا ہے جنہوں نے محلوں تاجوں اور تختوں کی دنیا میں کھو کر اپنے بیٹوں کو عاق کر دیا۔ البئر کامیو نے لکھا ہے:

"ماضی کا فنکار ظلم و تشدد کے موقع پر کم از کم خاموشی اختیار کر سکتا تھا۔۔ ہمارے اپنے زمانے میں جبر و تشدد نے اپنی شکل بدل لی ہے۔ جب صورتحال یہ ہو تو فنکار خاموشی یا غیر جانب داری کیسے اختیار کر سکتا ہے۔ اسے کوئی نہ کوئی راستہ موافقت یا مخالفت کا اختیار کرنا پڑے گا۔ بہر حال آج کے دور میں میرا موقف یقیناً مخالفانہ ہو گا۔"(۵)

کامیو کے موقف کے تناظر میں خواجہ احمد عباس کی تخلیقی کاوشوں کو دیکھیں تو انہوں نے بھی وہی موقف اختیار کیا جو ان کے ضمیر کی آواز تھی۔ زعفران کے پھول، دیوالی کے تین دیے اور پانی کی پھانسی جیسے افسانوں میں انہوں نے ہندوستانی دیہات کے مسائل کی مکمل تصویر کشی ایک الگ پیرائے میں کی ہے۔ خواجہ احمد عباس ایک متحرک اور نظریاتی سوچ کے مالک تھے۔ اور اسی سوچ نے انہیں آگے بڑھنے کے عمل میں استحکام بخشا۔ جاوید اختر ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ہندوستان میں نہ جانے کتنے لوگ ہیں جن کے دلوں میں طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال اور سماج میں عدم مساوات کے تئیں جو خلش ہے وہ کسی سیاستدان کی تقریر سے نہیں آئی ہے۔ کسی ماہر اقتصادیات کے مضمون سے نہیں جاگی ہے، کسی سماجیات کے عالم کے مقالے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان ترقی پسند افسانوں کی دین ہے جنہوں نے اپنے قاری کو سماجی شعور دیا۔"(۶)

یہی وہ سماجی شعور ہے جو نہ صرف خواجہ احمد عباس کے افسانوں بلکہ ان کے اسکرین پلے تک میں میں نظر آتا ہے۔ وہ ایک صحت مند رجحان کے ساتھ ایک غیر صحت مند معاشرے کی خامیاں بیان کرتے ہیں۔ان کا وژن نہایت واضح اور نظریاتی کمٹمنٹ لیے ہوئے ہے جو ان کی سماجی اور سیاسی بالغ نظری کا ثبوت ہے۔ ان کی تحریریں طبقاتی نظام میں پلتے ظلم و استبداد کی تاریکیوں میں روشنی کا کام کرتی ہیں جس میں وہ ایک ایسے غیر طبقاتی معاشرے کے خواہاں نظر آتے ہیں جو ہر قسم کی معاشی تخریب سے پاک ہو۔ مجنون گورکھپوری اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں۔

> ''میتھو آرنلڈ نے ادب کو جو زندگی کی تنقید کہا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا۔ ادب جماعت اور افراد کی زندگی کی نہ صرف ایک تصویر ہے بلکہ اس کی تنقید ہے اور مارکس کے نظریے کا مطلب بھی اس سے زیادہ کچھ نہ تھا اس کا یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ فلسفہ اور ادب صدیوں تک دنیا کی یا تو بجنسہ تصویریں پیش کرتے رہے ہیں یا اس کی تاویلیں کرتے رہے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا پر تنقیدی نظر ڈالی جائے۔اس کو بدلا جائے اور بہتر سے بہتر بنایا جائے۔''(۷)

ان معنی میں دیکھا جائے تو خواجہ احمد عباس ایک سچے ترقی پسند قلمکار کے روپ میں ابھرتے ہیں جو گہرا سماجی شعور اور بصیرت رکھتے ہیں۔ جاگیر دارانہ نظام میں محنت کش طبقہ کیا سوچتا ہے اور کون سے جدوجہد کی تمنائیں دلوں میں جاگتی ہیں اور باغیانہ خیالات کب دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ایسے کرداروں کی جدوجہد اور سوچ پر خواجہ احمد عباس خاموش تماشائی نہیں بنتے بلکہ اپنے افسانوں میں ایسے کرداروں کی حرکت و عمل کو دکھا کر دعوتِ فکر دیتے ہیں۔

انسان کی اندرونی زندگی، اس کے ذاتی نفسیاتی مسائل اور اس کی بیرونی، سماجی اور اقتصادی زندگی کے درمیان گہرے تعلق اور رشتے کو نظر میں رکھتے ہوئے خواجہ احمد عباس معاشرے کے اندر زندگی کرنے والے فرد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''جو کچھ دنیا میں، اس کے اپنے ملک اور اس کے اپنے سماج میں ہوتا ہے اس کا اثر اس کے اپنے کردار اور اس کے افعال پر پڑتا ہے۔ جیسے جیسے دنیا 'سماج' ملک کا اقتصادی نظام بدلتا جاتا ہے اسی طرح انسان بھی بدلتے رہتے ہیں۔آج کے انسان وہ نہیں جو آج سے چار پانچ سو سال پہلے تھے۔''(۸)

یہاں پر خواجہ احمد عباس نے سماج اقتصاد اور زندگی کو ایک تکون میں لا کر ایک بڑی سچائی بیان کی ہے دوسری جانب وہ سماج میں عہد بدلنے کے ساتھ حالات اور انسان کے بدلاؤ کی بات بھی کرتے ہیں ایک طرح سے وہ آج کے انسان کے شعور میں ارتقاء کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ پرانے اور نئے انسان کی سوچوں کے بیچ خط کھینچتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ۔

> ''(نئے انسان) پرانے ادبی سانچوں میں فٹ نہیں بیٹھتے ان کو نئے ڈھنگ سے دیکھنے کی دکھانے کی جانچنے کی ضرورت ہے۔''(۹)

اس نئے پرانے انسان کی بحث کو کرشن چندر نے بھی چھیڑا تھا جب اس نے کالو بھنگی جیسا شاہکار افسانہ لکھ کر اپنے قاری کے سامنے کچھ سوالات رکھے تھے جس کے جواب میں ظ۔ انصاری نے اپنے ایک مضمون میں وضاحت کی کہ نیا انسان وجود میں آچکا ہے۔ تاہم کرشن چندر نے اپنے دور کے معروضی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ زندگی کے حقائق کو ایک مخصوص زاویے سے سمجھنے

اور سمجھانے کی کوشش کی - خواجہ احمد عباس کے سامنے جو ماحول پھل پھول رہا تھا انہوں نے نئے صنعتی نظام میں اسے معاشرتی طور پر ایک ایسے بدلاؤ کی صورت میں دیکھا اور دکھایا جس میں دو تین نسلوں کے درمیان کا فرق واضح طور پر نظر آتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

> ''آزادی کے بعد تو یہ سماجی اور نفسیاتی تبدیلیاں اور تیزی کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ ان پڑھ کسانوں کے بیٹے زراعتی یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں۔ جن کے باپ دادا زمیندار اور ساہوکاروں کے آگے ماتھا ٹیکتے تھے وہ آج سر اٹھا کر اپنا حق مانگ رہے ہیں۔ یہ بدلتا ہوا ہندوستان اور بدلتے ہوئے ہندوستانی میرے افسانوں کا موضوع ہے۔''(۱۰)

اس اقتباس میں سر اٹھا کر اپنا حق مانگنے کی تصویر بیداری کی اس لہر کی طرف اِشارہ کر رہی ہے جو جاگیر دارانہ سماج میں محنت کش طبقے کے اندر کی آواز ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے ذریعے یہ دکھا رہے ہیں کہ سماج کے ذہن میں کیا چل رہا ہے اور کون سے جدوجہد کی تمنائیں دلوں میں جاگ رہی ہیں۔ باغیانہ خیالات کب دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ سماج سے ہوتے ہوئے ادب پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ ان موضوعات کو افسانوں میں پیش کرنے کے پیچھے انسان دوستی کا وہ جذبہ کار فرما ہے جو ایک خاص دور میں ادیبوں کی نگارشات میں تواتر کے ساتھ پیش ہوتا رہا۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''گہری انسان دوستی کا تصور ادیب یا آرٹسٹ کی اپنی تخلیقی آزادی کے شعور سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کہ اس کے دل و دماغ پر کسی بیرونی جبر کا دباؤ نہ ہو۔ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں اپنے آپ کو آزاد محسوس کرے۔ وہ اپنی بات کسی مصلحت 'خوف' اندیشے یا لالچ کے بغیر کہہ سکے۔''(۱۱)

خواجہ احمد عباس کے ہاں فکر کا بامعنی مثبت اور گہرا حوالہ دیکھنے میں آتا ہے وہ ادب میں کسی رہبانیت کے قائل نہیں بلکہ اپنی نوشتوں میں براہِ راست معاشی اور سماجی زندگی سے پڑنے والے اثرات کو جگہ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ وہ نہ ہی ان کا قاری لفظوں کے گورکھ دھندے میں پڑ کر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں انسان دوستی کا احساس انہوں نے اپنے تخلیقی تجربے میں گوندھ رکھا ہے۔ وہ فٹ پاتھوں پر بسیرا کرنے والی زندگی کے دکھوں سے واقف ہیں۔ ان خانہ بدوشوں کے شب و روز کے احساسات میں شریک ہیں جو بے در و دیوار گھروں میں رہتے ہیں اور کسی اندھیری رات میں کھو جاتے ہیں۔

> ''پوچھ گچھ کے دوران ان میں سے ایک نے بتایا کہ اب بمبئی میں صرف بیس ہزار بے گھر لوگ ہیں جو فٹ پاتھ پر اپنی راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور میں نے کہا۔ نہیں صرف انیس ہزار نو سو ننانوے۔ اس لیے کہ چمپا تو مر چکی ہے۔ صرف اس کے خون کا دھبہ رہ گیا ہے سو وہ بھی ایک دن چھینٹا پڑتے ہی دھل جائے گا۔ آپ فکر نہ کیجیے۔''(۱۲)

خواجہ احمد عباس کے ایسے افسانے ذہنوں کو جھنجھوڑتے ہیں اور فکری جمود توڑنے کے لیے راہیں سجھاتے ہیں۔ وہ ہر دم متغیر ہوتے دن رات میں کوئی ایسی مقصدیت تلاش کر رہے ہیں جو خیالات کو فریب سے نکال کر زندگی کی کھردری حقیقتیں سمجھا سکے۔ ظفر پیامی لکھتے ہیں۔

"خواجہ احمد عباس کے فن اور ان کی شخصیت سے صرف وہی لوگ متاثر ہو سکتے ہیں جن کے لیے زندگی کی وہ قدریں اہمیت رکھتی ہیں جو خواجہ صاحب کے مشعلِ راہ تھیں یہ ممکن نہیں کہ خواجہ صاحب کی فن کارانہ عظمت کے تو آپ قائل ہوں لیکن ان کے انسان پرستانہ، سرمایہ دشمن، سامراج مخالفت اور سیکولر نظریات سے انحراف کریں۔"(۱۳)

خواجہ احمد عباس کے افسانے کسی مریضانہ اور بوجھل ذہنیت کی پیداوار نہیں بلکہ زندگی کے مسائل سے نبرد آزمائی کے ترجمان ہیں۔ ان میں مرد اور عورت کا وہ متوازن رشتہ بھی ہے جو مل کر ایک اچھے اور بہتر سماج کی تشکیل کرتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو وہ اپنی کہانیوں میں ایک مثبت روایت کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔ معاشرے نے غیر ملکی سامراج کے چلے جانے پر نئی دنیا سے بہت ساری امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ لیکن خواجہ احمد عباس کے نزدیک ہر نئی تبدیلی کے لیے حرکت و عمل ناگزیر ہے۔ جوگندر پال لکھتے ہیں۔

"خواجہ احمد عباس کے یہاں آزادی کا مطلب محض انگریزوں کی روانگی سے پورا نہیں ہو جاتا۔ ان کے نزدیک آزادی کا اصل مفہوم خوف، سازش، بھوک اور استحصال سے آزادی سے ادا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے خواجہ احمد عباس کو بخوبی علم تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد پانی پت کی چوتھی لڑائی چھڑ جائے گی۔ لہذا جنگ کا بگل سنتے ہی یہ سچا ہندوستانی اپنا قلم لے کر بے جھجھک میدان میں اتر آیا۔"(۱۴)

ادب اور ادیب کا کردار ہر زمانے، ہر ملک اور ہر زبان میں ہمیشہ موثر رہا ہے۔ اسی تناظر میں خواجہ احمد عباس کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ ان قلمکاروں میں سے تھے جنہوں نے عوام کی صفوں میں رہ کر ان کی ترجمانی اور رہنمائی کا حق ادا کیا۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، اُردو افسانے کے رجحانات، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص:۱۸۰

۲۔ خواجہ احمد عباس، ایک لڑکی، ثنائی پریس لاہور س-ن-ص:۱۱۶

۳۔ رشید احمد گوریجہ (مؤلف) تحقیق و تنقید، مجید بک ڈپو-س ن، ص:۸۳

۴۔ خواجہ احمد عباس، گیہوں اور گلاب، جہلم، بک کارنر، س-ن، ص:۱۳۴

۵۔ جمیل جالبی، تنقید اور تجربہ، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۹ء ص:۴۵

۶۔ جاوید اختر، اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک (مرتبہ) احمد پراچہ، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء ص:۵۱

۷۔ مجنون گورکھپوری، ادب اور زندگی، کراچی، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۸ء ص:۵۴

۸۔ خواجہ احمد عباس کے بے مثال افسانے، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۷

۹۔ ایضاً

۱۰۔ خواجہ احمد عباس، مجھے کچھ کہنا ہے، مشمولہ نئی دھرتی نئے انسان، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۷ء، ص:۶

۱۱۔ شمیم حنفی (پروفیسر) ادب میں انسان دوستی کا تصور مشمولہ قرطاس ادب روزنامہ جنگ کراچی میگزین ڈیسک ۲۶ اکتوبر ۲۰۲۰ء

۱۲۔ خواجہ احمد عباس، الف لیلہ مشمولہ خواجہ احمد عباس کے بے مثال افسانے، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۷۰

۱۳۔ ظفر پیامی، خواجہ احمد عباس کون تھا؟ مشمولہ آج کل، خواجہ احمد عباس نمبر، نئی دہلی دسمبر ۱۹۸۸ء، ص: ۹

۱۴۔ جوگندر پال، خواجہ احمد عباس پر ایک نوٹ، مشمولہ آج کل، خواجہ احمد عباس نمبر، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص: ۱۴

References in Roman Script

1. Saleem Aga Qazalbash, Urdu Afsane ke Rujhanat, Anjuman-e-Taraqi Urdu Pakistan, Karachi, 2000, P:180
2. Khawaja Ahmad Abbas, AkLadki, Sanai Press, Lahore, p:116
3. Rasheed Ahmad, GorijaTahqeeq-o-Tanqeed Majeed Book Depo, p: 83
4. Khawaja Ahmad Abbas, Gehon our Gulab, Book corner Jehlam, p:134
5. Jamil Jalibi, Tanqeed our Tajriba, Educational Publishing House, New Dehli, 1989, p:45
6. Javed Akhtar, Urdu AdabmeinTaraqqi Pasand Tahreek, Murataba Ahmad Paracha, Fiction House, Lahore, 2010, p:51
7. Majnoon Gorakhpuri, Adab our Zindagi Maktaba Danyal, Karachi, 2008, p: 54
8. Khawaja Ahmad, Abbas ke bemisal Afsane Alhamd publication, Lahore, 2012, p:7
9. Abid
10. Khawaja Ahmad Abbas, Mujhe Kuch Kehnahai, Mashmoola Nai Dharti Nay Insan, Maktaba Jamea, New Delhi, 1977, p:6
11. Shamim Hanfi, Adab mein Insan Dosti kaTasawar, Mashmoola Qirtas-e-Adab Roznama Jung, Karachi, Magazine desk, 26 October-2020
12. Khawaja Ahmad Abbas, Alif Lela Mashmoola Khawaja Ahmad Abbas kebemisal Afsane, Alhamd publication, Lahore, 2012, p:270
13. Zafarpiyami, Khawaja Ahmad Abbas Kontha? Mashmoola AJ Kal, Khwaja Ahmad Abbas Number New Dehli, December, 1988, p:9
14. Jogindar pal, Khwaja Ahmad Abbas Par aik Noot, Mashmoola AJ Kal, Khwaja Ahmad Abbas Number, New Dehli, 1988, p:14